© rasailojaraid.com

نیک مشورہ

محمد عمر فاروق:

نصف صدی پیشتر کا قصہ ہے۔ جب برصغیر کے مسلمان، حکومت برطانیہ سے آزادی کی فیصلہ کن جنگ لڑ رہے تھے۔ کانگریس، مسلم لیگ، مجلس احرار اسلام، جمعیت علماء ہند، خاکسار تحریک اور خدائی خدمت گار مختلف محاذوں پر مشترکہ دشمن انگریز سے معرکہ آراء تھے۔ مقصود سبھی کا انگریز سے خلاصی اور وطن کی آزادی تھا۔ یعنی منزل ایک تھی لیکن راہیں جدا جدا تھیں۔ اکثر جماعتیں مسلم لیگ کے مؤقف سے متفق نہ تھیں اور جب پاکستان بن گیا تو اصولاً وہ اختلاف جوان جماعتوں اور مسلم لیگ کے مابین رہا تھا۔ اب ختم ہو جانا چاہیے تھا اور وہ سب نفرتیں محبتوں میں، بُعد قربتوں میں اور بغض وعداوت باہمی لطف وکرم میں ڈھل جاتیں لیکن ایسا نہ ہوا اور دلوں کا زنگ نہ اتر سکا۔

ملک گوناں گوں مسائل کے گرداب میں گھرا ہوا تھا، جس پر مستزاد یہ داخلی انتشار تھا۔ جبکہ ہندوستان اور اس کی حلیف قوتیں پاکستان کے ٹوٹ جانے اور پھر اکھنڈ بھارت بننے کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ ان نازک حالات میں جب کہ ملک اپنے بیٹوں سے استحکام اور سلامتی کے تحفظ کا متقاضی تھا۔ ان جانکنی کے لمحات میں انسانی عظمتوں کی بلندیوں پر فائز جس مرد مجاہد نے سب سے پہلے لبیک کی صدا دی۔ وہ مجلس احرار اسلام کے بانی اور برصغیر پاک وہند کے شعلہ نوا خطیب اور مدبر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ جنہوں نے برملا اپنی رائے کی شکست کا اعتراف کیا اور مسلم لیگ کی لاج رکھتے ہوئے مسلم لیگ کے حق میں انتخابی سیاست سے دستبرداری کا تاریخی اعلان کیا اور فیصلہ کیا کہ آئندہ مجلس احرار اسلام دینی امور وفرائض کی انجام دہی کے لئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے گی۔

۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو مجلس احرار اسلام پاکستان کے صدر ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کے نام شاہ جی نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ

"لیگ سے ہماری سیاسی کش مکش ختم ہو چکی ہے اور الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ اس وقت لیگ قوت خاکہ ہے اور مسلمانوں نے اسے بنایا اور قبول کیا ہے۔ میری آخری رائے اب بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح وبہبود کی راہیں سوچنی چاہئیں اور اس کے لئے عملی قدم اٹھانا چاہیے۔ مجلس احرار اسلام کو ہر نیک کام میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اور خلاف شرع کام سے اجتناب۔ اصلاح احوال کے لئے ایک دوسرے سے مل کر "الدین النصیحہ" پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ یہ ارشاد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا"

بعد ازاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"ہم نے دس لاکھ مسلمانوں کا خون دے کر اور ایک کروڑ مسلمانوں کو بے گھر کر کے ایک آزاد وطن حاصل کیا ہے۔ اس کی آزادی ہمیں ہر چیز پر مقدم ہے۔ ہم پاکستان کو ایک مستحکم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناقابل تسخیر ملک دیکھنا چاہتے ہیں جو داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ ہو۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ اس ملک کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ مسلم لیگ نے آج سے چالیس سال قبل ایک نعرہ لگایا تھا۔ وہ نعرہ تھا مسلمانوں کی سر بلندی کا۔ آہستہ آہستہ ایک دور آیا کہ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ اس برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک آزاد وطن چاہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مجلس احرار اسلام نے تقسیم کے نظریہ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ ہم نے جب یہ سمجھا اور محسوس کیا کہ قوم نے ایک فیصلہ دے دیا ہے اور وہ فیصلہ ہے......... قیام پاکستان کا! تو ہم نے اس مطالبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ وطن جس کی خاک کا ہر ذرہ مجھے عزیز ہے ہر چیز سے عزیز تر ہے۔ اس کی آزادی، سلامتی اور استحکام جزو ایمان ہے۔ پاکستان کی آزادی کی حفاظت کے لئے کروڑوں عطاء اللہ شاہ بخاری قربان کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ میرے وطن کی آزادی پر کوئی آنچ آئے میں سمجھتا ہوں کہ اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے۔ اس کی حفاظت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہونا چاہیے۔ میں پاکستان کو داخلی دشمنوں سے محفوظ کرنے کا ہر قیمت پر تہیہ کر چکا ہوں۔

ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی گروہ یا ٹولہ اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا کر پاکستان کی حدود کے اندر آباد رہ سکے۔ خارجی دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن داخلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی موجودگی میں یہ سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہیں۔ انتہائی بے وقوفی ہے۔ ''حماقت ہے۔ اسلئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کو مستحکم بنایا جائے کیونکہ مسلم لیگ کا استحکام مسلمانوں کے استحکام کا ضامن ہے۔ ہم ملک کے امن وامان، فلاح و بہبود، استحکام اور سر بلندی کے لئے حکومت سے پورا اور غیر مشروط تعاون کرتے رہیں گے۔''

اسی اثناء میں آپنے نوجوانوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا

''میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ میرے پاس نہ دولت ہے نہ ثروت۔ میں آپ کی خدمت میں پورے خلوص سے التجا کرتا ہوں۔ آپ کے پاؤں پر سفید داڑھی رکھ کر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اسے منظور کریں اور یہ کہ کوئی ایک نوجوان بھی ایسا نہ رہے جو مسلم لیگ کی نیشنل گارڈ کی وردی نہ پہنے ہوئے ہو''

مجلس احرار کے اس فیصلے اوران اقدامات نےان کا بے پایاں خلوص اور بے غرضی عوام کے دلوں پر نقش کر دی۔

اس کے برعکس خدائی خدمت گاروں نے ہندوستان سے ناطہ توڑنا گوارا نہ کیا۔ بلکہ خان عبدالغفار خان تادم مرگ ''سرحدی گاندھی'' کہلانے پر فخر کرتے رہے اور پاکستان اور بانئ پاکستان ان کے سب شتم کا نشانہ بن گئے۔ اس سے انکار نہیں کہ خان قیوم خان کی حکومت نے سرخپوشوں پر شدید مظالم کی بدترین مثال قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اور انہیں غدار قرار دے کر اپنی حب الوطنی کا ڈھنڈورا پیٹا۔ جبکہ خود قیوم خان پاکستان بننے سے ایک آدھ سال پہلے کانگریس میں تھے۔ لیکن قیوم خان کی زیادتیوں کا انتقام پاکستان سے لینا، کہاں کی دانشمندی اور دانائی ہے۔ ولی خان صاحب! خاندان سے لڑائی ہو جائے تو اپنے ماں باپ کو رگیدا نہیں جاتا۔ چہ جائیکہ انہیں گالی دی جائے۔

حال ہی میں پختونخواہ کے مسئلہ پر اے این پی اور مسلم لیگ کے نزاع میں اے این پی کے لیڈروں کے بانیٔ پاکستان کے خلاف توہین آمیز بیانات نے ان کی پوزیشن خطرناک کردی ہے۔ ایسے بیانات دشمن کی تخریب کاری سے کہیں زیادہ ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرتے ہیں۔ ملکی سلامتی سب اصولوں پر اور سب مفادات پر فائق ہے۔ ملک ہی باقی نہ رہے تو پختونخواہ کہاں بنایا جائے گا۔

یاد رکھیے! تاریخ کی ابدی سچائی کبھی مدھم نہیں پڑتی بلکہ وہ اپنے نور صداقت سے آنکھوں کو خیرہ اور شعور کے جہانوں کو منور کرتی ہے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب برصغیر میں ادب و انشاء اور دین و سیاست کی متاع عظیم مولانا ابوالکلام آزاد! جو بجا طور پر "امام الہند" کہلائے جاتے تھے۔ وہ قیام پاکستان سے قبل کانگریس کے سٹیج سے بانیٔ پاکستان جناح صاحب محمد علی جناح کے سیاسی حریف تھے۔ ان دو عظیم شخصیات میں ٹکراؤ بھی ہوا۔ بلکہ ایک موقع پر جناح صاحب کے منہ سے ان کے لئے "کانگریس کا شو بوائے" ایسا لفظ بھی نکلا۔ لیکن زمانہ گواہ ہے کہ ابوالکلام نے جواب نہ دے کر تحمل و بردباری کی مثال قائم کردی کہ سیاست میں تلخ مقام تو آتے ہی رہتے ہیں۔ بانیٔ پاکستان کی رحلت کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد ۱۹۵۱ء میں بھارت کے وزیر تعلیم کی حیثیت سے یورپ سے واپسی پر کراچی صرف اس لئے رکے کہ جناح صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھیں ۔ مولانا آزاد مزار جناح گئے اور فاتحہ پڑھ کر واپس اپنے جہاز میں چلے گئے۔ جس پر حمید نظامی مرحوم نے ابولکلام آزاد کے اس عمل کو ان کی عظمت کی دلیل قرار دیا تھا۔ اور اپنے اداریہ میں حکومت پاکستان کی طرف سے مولانا آزاد کو سرکاری پروٹوکول نہ دینے پر سخت احتجاج کیا تھا۔

اگر غفار خان کانگریس کے سچے پیروکار ہوتے تو وہ مولانا ابولکلام آزاد کی پیروی اور ان کی طرح جناح صاحب اور مسلم لیگ سے اپنے سابقہ اختلافات کو یکسر ختم کرنے کا اعلان کردیتے۔ خان عبدالغفار خان تو مولانا آزاد کے ایک پرخلوص مشورے کو پہلے بھی ٹھکرا چکے تھے۔ ۔ اگر وہ مولانا آزاد کا مشورہ مان لیتے تو وہ ہمیشہ کے لئے قومی دھارے میں شریک ہو سکتے تھے لیکن کسی لمحے انسان کا ایک جذباتی فیصلہ اور کوئی معمولی فرو گزاشت اسے قرنوں پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ یہی سرخپوش رہنما کے ساتھ بھی ہوا کہ جب ان کی قربانیوں کا شجر ثمر آور ہوا تو اپنے غلط فیصلے کے نتیجے میں انہوں نے خود اس کی جڑیں کاٹ ڈالیں۔ حالانکہ خود غفار خان نے اپنے ایک پشتو مضمون میں اعتراف کیا تھا کہ

> "جس وقت جون ۱۹۴۷ء میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ہندوستان کی تقسیم کو تسلیم کرلیا ہو اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد میرے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا تمہیں چاہیے کہ اب مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ" (ہفت روزہ ... ۱۹۸۷ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندازہ کیجیے کتنا نیک اور صائب مشورہ تھا اور وہ بھی مسلم لیگ کے ایک سیاسی حریف، مگر صاحب بصیرت انسان کا! جسے باچاخان نے قبول نہ کیا۔ بالفاظ دیگر ابوالکلام آزاد انہیں کہہ رہے تھے کہ غفارخان! پاکستان کا قیام ایک حقیقت ہے اور تمہیں پاکستان میں رہنا ہے تو اسی ملک کا وفادار بن کے رہنا ہوگا۔ لیکن باچاخان تاریخ کے اس موڑ پر فیصلہ نہ کرسکے اور ان کی وفاداریاں ہندوستان اور پاکستان کے مابین اٹک کر رہ گئیں۔ اب بھی اے این پی کے رہنماؤں کو اس حقیقت سے انکار کی بجائے اپنے دل و دماغ سے فیصلہ کرلینا ہی بہتر ہے کہ وہ سیاسی لڑائی میں اس دھرتی کو جس کے وہ باسی ہیں، کیوں لتاڑنا شروع کردیتے ہیں۔ اور کیوں پاکستان کا اتنا دفاع بھی نہیں کرتے جتنا وہ باچاخان اور کانگریس کا کرتے ہیں۔ جبکہ آپ پاکستان کے شہری ہیں اور اس ملک پر آپ کا اور آپ کا اس ملک پر اتنا ہی حق ہے جتنا کسی اور پاکستانی کا ہے۔ پاکستان کا دفاع کیجیے۔ حب الوطنی اور وفاداری کا یہی تقاضا ہے۔

*

حسنِ انتخاب

''تزکیہ نفس'' سے بدکیے نہیں!

مسلمان عموماً........اور اہل حدیث تنظیموں سے وابستہ لیڈر اور کارکنان حضرات خصوصاً........ بہت تیزی کے ساتھ جس نعمت کے زوال کا شکار ہورہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ علم کی کمی اور عمل کی کوتاہی کے سبب ہم افراط و تفریط میں مبتلا اور آمادۂ بحث و تمحیص رہتے ہیں۔ نتیجتہً مزاجوں کی تشکیل ہی ایسی ہورہی یا ہوچکی ہے کہ مسنون اوراد و اذکار کا ذوق اور سنن و نوافل کی اہمیت گھٹتے گھٹتے ختم ہوکر روکھے پھیکے فرائض تک محدود ہوچکی ہے۔ سیاست نے اور بعض گروہوں کو مال و دولت کی فراوانی اور ضروریات زندگی کی ارزانی نے کم و بیش ''دعاؤں'' سے بے نیاز ہی کردیا ہے۔ اور اس آڑ میں شیطان ہمیں تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ سے محروم کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔ یا ہورہا ہے۔ حالانکہ ماضی میں علمائے غزنویہ اپنے فیض یافتگان اور علمائے لکھویہ اپنے ارادات مندوں کے عقائد درست کرنے کے ساتھ ساتھ مسنون اوراد و اذکار کی تلقین و تعلیم سے دلوں کو ذکر الہیٰ سے معمور کرکے حب دنیا سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اسی کا نام تزکیۂ نفس ہے۔ جس سے ہمارے دوست بھائی اور عزیز بدک جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محی الدین لکھوی رحمتہ اللہ علیہ اس ناحیہ آور پہلو سے جماعت اہل حدیث کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ اور مینار رشد وہدایت تھے۔ ان سے مل کر دل تسکین، روح بالیدگی اور آنکھیں ٹھنڈک حاصل کرتی تھیں۔

(مولانا محی الدین لکھوی رحمہ اللہ کی رحلت (یکم مارچ ۹۸ء) پر ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۳ مارچ ۹۸ء) کے اداریہ سے اقتباس۔ از قلم، حافظ احمد شاکر زید مجدہ، خلف الرشید مولانا عطاء اللہ حنیف رحمتہ اللہ علیہ)

© rasailojaraid.com